مکی دور نبوی ﷺ کے علمی اور ادبی مظاہر: معاصر علوم وادب کے لیے راہنما خطوط

The Scientific and Literary Aspects of the Makkah's Era: Guidelines for Contemporary Sciences and Literature

Shabnam Begum
Lecturer Islamic Studies
Mohi-ud-Din Islamic University Nerian Sharif, Azad Kashmir
Muhammad Fiaz Ud Din
M.phil Scholar Islamic Studies
Mohi-ud-Din Islamic University Nerian Sharif, Azad Kashmir
Email: Muhammadfiazuddin1@gmail.com
Muhammad Riaz ud din
Fazil Uloom E Islamia Jamia Raziya Rawalpindi
Email: muhammadriazuddin541@gmail.com

Abstract
The region of Makkah has remained a spiritual, religious, and commercial hub throughout different eras and times. Prophet Muhammad (PBUH) was a source of advice for people during the Prophethood era in Makkah, helping them with concerns of faith and the outside world. Before the arrival of Islam, there was ignorance. Ignorant culture had confined human life to narrow and dark paths. Human views about religion were disappeared. Human deterioration began with oppression, tyranny, and traditional fine arts. The arrival of Prophet Muhammad (PBUH) brought about a radical change in this area. Human thoughts were altered, and a new civilization was established.
A revolution was brought about by the Prophet Muhammad (PBUH) in response to the needs of the times and by redefining the laws and ideals that people had created to themselves. While maintaining the authenticity of teachings, this change systematically eliminated materials conflicting with myths and against the interests of humanity. Human civilization and culture were embellished by these modifications, additions, revisions, refinements, and enhancements. During this period, the scientific and literary aspects of the Makkan Era had a distinct impact. An assessment of these impacts is provided below, providing a framework for modern scientific and literary expressions.
Keywords: Makkah's Era, Cultural Manifestations, Scientific and Literary Aspects, Fine Arts, Customs and Traditions, Traditional Destinies

اہمیت وضرورت

خطہِ مکہ ہر دور اور ہر زمانے میں روحانی، دینی اور تجارتی مرکز رہا ہے۔ دورِ نبوی میں مکہ کے اندر حضرت محمد ﷺ کی حیثیت ساقی و قاسم کی رہی جو لوگوں کو دین و دنیا کی سیرابی سے مستفید کرتے رہیں۔ نبوت سے پہلے جاہلیت کا دور رہا۔ جاہلی ثقافت نے انسانی زندگی کو تنگ و تاریک راہوں میں دھکیل دیا تھا۔ انسانی ذہن وافکار سے مذہب مٹ چکا تھا۔ ظلم وجبر اور روایتی فنونِ لطیفہ کی بنیادوں پر انسانی تباہی کی عمارت تعمیر ہو گئی تھی۔ حضرت محمد ﷺ کی آمد پر یہ خطہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ انسانی افکار بدل گیے۔ تہذیب کو ایک نئی اور سیدھی رخ پر لا کھڑا کیا۔

نبی کریم ﷺ نے حالات کے تقاضوں کے مطابق اور لوگوں کی خود ساختہ قوانین واصول میں ردوبدل کر کے انقلاب برپا کیا۔ اس تبدیلی سے صحیح تعلیمات اپنی جگہ پر قائم رہی البتہ خرافات و مصالحِ انسانیت کے خلاف مواد کو یکسر مٹا دیا گیا۔ انہی ردوبدل، ترمیم و اضافہ اور تہذیب و تحسین سے انسانی تہذیب و ثقافت کو آراستہ کیا گیا۔ اس ضمن میں مکی دور نبوی کے علمی و ادبی مظاہر پر خصوصیت کے ساتھ اثرات مرتب ہوئے۔ ذیل میں ان اثرات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ معاصر علمی وادبی مظاہر کے لیے بطور راہنمائی خطوط ثابت ہوں گے۔

مکہ مکرمہ علوم اور تہذیب کے مظاہر کا مرکز رہا ہے۔ حضرت آدم اور حضرت ابراہیم کے تعلیمات سے لے کر حضرت عیسیٰ تک کی تعلیمات یہاں موجود رہیں۔ اس کے باوجود دنیا میں آج یہ تصوّر موجود ہے کہ اسلامی علوم اس دور میں نہیں چل سکتی اور اسلام کو فرسودہ اور غیر مہذب کہہ کر عیسائیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسلام پر اس حد تک الزام لگایا جاتا ہے کہ مکہ کے اندر مسلمانوں نے عیسائیوں سے ثقافت سیکھی، اسلام نے ادب اور لٹریچر عرب سے، ریاضی روم سے، فقہ اور قانون یہودیت سے اور فلسفہ یونان سے لیا، یعنی اسلام کا کوئی تہذیبی اور ثقافتی کردار نہیں ہے۔ اسی کو جواز بنا کر آج بھی ہمیں ثقافتی لحاظ سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کا یہ دعویٰ انصاف سے عاری اور کھلی بددیانتی ہے۔ ذیل کے سطور میں سیرت، تاریخ اور ادب کی وسیع علمی دنیا سے فقط "مکی دور نبوی ﷺ کے علمی اور ادبی مظاہر: معاصر علوم وادب کے لیے راہنما خطوط" کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے یہ اپنی نوعیت کا منفرد تحقیقی کام ہو گا۔

مکی دور

مکی دور جسے تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ جعرافیائی لحاظ سے اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ جعرافیائی لحاظ کی وجہ سے اس میں عیسائیت، یہودیت[1]، مجوسیت[2]، صابیت[3]، دہریت[4]، توحید پرست[5]، شرک اور بت پرستی[6] اس کے اہم مذاہب میں شمار ہیں۔ مکہ کثیر القومی (قریش، عرب قبائل اور غیر عرب لوگوں کی آبادی) شہر ہونے کے ساتھ ساتھ علوم وفنون اور ادبی مظاہر کا خطہ رہا۔ اس وقت جہاں مکہ میں مادی ضروریات کے وافر ذرائع تھے وہاں روح کی تسکین کے لیے موسیقی، شعر و شاعری، مصوّری، بت تراشی، اور مذہبی اعتقادات کا انتظام بھی تھا۔ ان کی یہ سرگرمیاں کسی خارجی مقصد، موسمی تبدیلی یا کسی اور عرض کے لیے نہیں ہوتی تھیں بلکہ اس سے وہ اپنی مقصود بالذات مذہبی ضروریات کی تکمیل اور روحانی سرور حاصل کرتے تھے۔ گویا مکہ جعرافیائی لحاظ سے کہیں زیادہ علم وادب کا گہوارہ خطہ تھا۔

علوم

کسی بھی معاشرے کو سدھارنے اور نئی جہتیں دینے کے لیے علوم بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ بنیادی علوم کو متعارف کرنے والی شخصیات ان نئی جہتوں میں رنگ بھرتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسی شخصیات موجود تھیں بلکہ ان کے ساتھ بڑی عزت و احترام کا رویہ بھی رکھا جاتا تھا۔ ان میں بشر بن عبد الملک السکونی جو اکیدر: صاحب دومۃ الجندل) کا بھائی تھا، سفیان بن امیہ بن عبد شمس اور ابو قیس بن عبد مناف استاد مانے جاتے تھے۔ عمرو بن زرارہ کو کاتب کا نام دیا گیا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مکتب بھی ہوا کرتے تھے[7]۔

مکی معاشرہ علوم کی کثرت سے محروم ضرور رہا ہے مگر زبان دانی کی بنا پر وہ دوسری اقوام کو عجمی (گونگے) سمجھتے تھے۔ علوم کے باب میں بھی یہ بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ زبان سے ہٹ کر علوم کی ترتیب و تدوین اور نصاب سازی نہیں ہو سکتی۔ گویا عربوں کی زبان دانی نے ان کے لیے علوم اور فنون کے در کھول دیے تھے۔ مکی معاشرے میں اگر علوم کی کمی رہی تو زبان دانی نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے اور باوجود قلتِ علوم کے وہ تمدنی لحاظ سے بہتر قوم ثابت ہوئی۔ عرب اور خاص کر مکہ میں بتوں کی موجودگی میں لوگوں نے تعلیماتِ ابراہیمی کو بھول کر دیگر مختلف علوم متعارف کروائے۔ ان علوم میں شعر و شاعری، انساب کی تعلیم و تعلّم، لڑائیوں کی تفصیل، انواء و نجوم کا علم، علم القیافہ اور اور علم العیافہ، علم فراست، علم کہانت و عرافت، علم الزجر، علم الطب، علم الخیل، علم السہم، علم السما، جہاز اور کشتی کا علم، علم الکتابت، علم الحساب اور دیگر علوم پر ان کو دسترس حاصل تھی۔ ان علوم سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاشرے کے نظم و ضبط میں مکی لوگ کافی حساس تھے۔ کمالِ ذہانت و فطانت اور استعداد سے ان کے ثقافتی مظاہر کی بلندی کا بھی احساس ہو جاتا ہے۔ قبیلہ ہذیل کی ظلمہ نامی لڑکی بچپن ہی سے مکتب جاتی تھی اور اس کا محبوب مشغلہ یہ ہوتا تھا کہ قلم کو بار بار دوات میں ڈال کر کھیلا کرتی تھی[8]۔ کہا جاتا ہے کہ مدینے کی نسبت مکے میں زیادہ لکھے پڑھے لوگ ہوا کرتے تھے[9]۔ مفسر محمد طاہر ؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب کتابت والوں کا قحط تھا تو چند شہر ایسے تھے جہاں لکھنے والے موجود تھے۔ ان میں اہل حیرہ، قبیلہ طی کے کچھ لوگ، قریش کے خاص آدمی اور قبیلہ کنانہ کی نمایاں شخصیات شامل تھیں[10]۔ حیرہ سے لکھنا پڑھنا سیکھا اور وہاں کا رسم الخط انہیں ملا، جو بعد میں خطِ کوفی کے نام سے مشہور ہوا[11]۔

انسان چونکہ تمدنی خصائص کا مجسمّ ہوتا ہے اور تمدنی ضروریات کے لیے نت نئی چیزوں سے واقفیت لازمی ہوتی ہے۔ عرب اور مکے کے علوم سے ان کی تمدنی عروج اور ثقافتی مظاہر کے بہترین نمونے سامنے آجاتے ہیں۔

عرب میں علم وادب کی لازوال روایت موجود تھی۔ ان میں کچھ علوم تو خالص مذہبی تھے کچھ ان کے اپنے اختراعات، تجربات اور مشاہدات سے وجود میں آئے تھے اور کچھ علوم عرب سے باہر کے بھی منقول ہیں۔ ان کے اکثر علوم ان کے اعتقادات کی بنیاد پر ہوتے تھے۔ اس سوچ کا بھی کافی عمل دخل تھا کہ کوئی کام معمول واسباب سے ہٹ کر ٹھیک ہو جاتا تو اسے مستقل علم کے طور پر اپنالیا جاتا تھا۔ البتہ نئے علوم کی تلاش اور جستجو کی تڑپ بھی موجزن رہتی۔ ان کو یہ خدشہ ضرور تھا اور وہ محسوس بھی کر رہے تھے کہ کہیں علوم وفنون سے عاری نسل پیدا نہ ہو جائے۔ منقولات اور معقولات پر ان کی گہری نظر تھی وہ جدت کے خواہاں تھے۔ یہاں تک جس قبیلے میں کوئی شخص شعر وشاعری کرنے لگتا تو بڑی دھوم دھام سے خوشی مناتے تھے اور لوگوں کو اس خوشی کے موقعے پر دعوت دی جاتی تھی۔ کیونکہ شاعر ذہین وفطین اور ذکی الحس ہونے کے ساتھ ساتھ جدت پسند بھی ہوتے تھے۔ شاعر کو اسی وجہ سے بھی اعلیٰ مقام دیا جاتا کہ وہ علمِ شاعری کے رکھوالے اور ماہر ہوتے تھے۔ نئی جہات کی طرف اپنے قبیلے کی راہنمائی کرتے تھے۔ جدیدیت کے خوگر ہوتے تھے۔ کعب بن زہیر کہتے ہیں:

وما أرانا نقول إلا معارا أو معادا من قولنا مكرورا[12]

مجھے تو یہی محسوس ہو رہا ہے کہ کہی ہوئی باتیں ہم دہرا رہے ہیں۔ نئی چیزوں کی دریافت کی بجائے پرانے چیزوں کی تکرار میں ہم مبتلا ہیں۔

اپنے دور کے علمی اور ادبی لوگوں کو بڑا مقام دیتے تھے۔ معاشرتی مرتبے کے علاوہ انفرادی طور پر بھی ان کی قدر ومنزلت کی جاتی تھی۔ قبل از نبوت عرب میں جو لوگ علمِ شاعری، فنِ تیراکی، تیر اندازی میں ماہر اور فاضل کاتب ہوتے تو انھیں الکامل کہا جاتا تھا۔ یوں تو مکہ سمیت پورے عرب میں علم وادب کا چرچا تھا۔ سفر وحضر میں کتاب، قلم اور دوات ضرور ساتھ رکھتے۔ کسی بھی معاملے کو حتمی شکل دیتے تو بطورِ سند اسے لکھ لیتے۔ کسی قوم قبیلے کے مدح میں بھی الفاظ ان کی لونڈی ہوا کرتے تھے اور عزت واحترام کا معیار بھی علم ادب تھا۔ مرکزی حیثیت ہونے کے ناطے مکے میں لکھے پڑھے لوگوں کی تعداد کافی تھی۔ مکتب تھے اور پڑھانے والے معلمین بھی۔ فنونِ لطیفہ کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ مدینہ علم وادب کے لحاظ سے بہت پیچھے تھا۔ مکہ میں اس کی نسبت علم وادب کی کثرت تھی۔

عرب کے علم و ادب کے مظاہر سے قرآن نے وہ الفاظ بیان کیے ہیں جو ان میں رائج تھے۔ کاغذ کے لیے ورق، قراطیس سیاہی کے لیے مداد، تختی کے لیے لوح، لکھنے والے کو سفرۃ اور کاتب، جبکہ لکھی ہوئی چیز کے لیے مرقوم، مستطر اور مکتوب مستعمل ہوئے ہیں۔ ان الفاظ کو شاعروں نے بھی اپنے شعروں میں استعمال کیا ہے۔ یہ اس قوم کے الفاظ و مستعملات ہیں جو علم وادب اور ثقافت سے روشناس تھی۔

علمِ شاعری کے مظاہر

عرب شاعری کو دل وجان سے عزیز رکھے تھے۔ کعبہ میں عبادت کے علاوہ جس اہم کام کی طرف توجہ دی جاتی تھے وہ شعرا کا قبول عام حاصل کرنے والا نیا اور تازہ کلام ہوتا تھا، جسے کعبے کے دروازے پر چیلنج کے طور پر لٹکایا بھی جاتا تھا۔ علمِ شاعری چونکہ عرب کا خاص فن تھا اور اسی فن کی کمزوری اور ناپیدی کا ان کو شدت سے احساس تھا۔ عنترہ نے اسی ڈر کو محسوس کرتے ہوئے کہ کہیں ہم کند ذہن نہ بن جائیں۔ عنترہ کہتا ہے کہ هل غادر الشعراء من متردم [13]۔ شعرا نے پیوندکاری کے لیے بھی کوئی سوراخ نہیں چھوڑا ہے۔ شاعری گویا ان کی زندگی کے رگ وپے میں رچ بس گئی تھی۔ خط وکتابت بھی شاعری کے ذریعے کرتے تھے۔ لقیط کہتا ہے:

سلام فی الصحیفة من لقیط إلی من بالجزیرة من إیاد[14]

لقیط کی طرف سے اس خط میں جزیرہ ایاد والوں کو سلام ہے۔

شاعری کے ذریعے معاملات تک کو حل کرتے تھے۔ نصیحت اور نیک کام کرنے کے لیے بھی شاعری سے مدد لیتے تھے۔ عدی بن زید نے اس حوالے سے بہت اشعار ذکر کیے ہیں۔ ان کا ایک شعر درج کیا جارہا ہے۔

ودست فی صحیفتها إلیه لیملك بضعها ولأن تدینا[15]

اس کے لکھے ہوئے صحیفے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کریں اور نیکی کا راستہ اختیار کریں۔

علمِ طب

علمِ طب کا بھی کافی رجحان پایا جاتا تھا۔ اس علم کی بنیاد زیادہ تر ان کے مشاہدات، تجربات یا پھر وہم سے تعلق رکھتا تھا۔ زیادہ تر علاج جڑی بوٹیوں، نباتات اور غذاؤں سے کیا جاتا تھا۔ علاج میں پرہیز گاری پہلے درجے پر ہوتی تھی۔ پھر مناسب وقت پر اور بوقت ضرورت دوا استعمال کی جاتی تھی۔ جب مرض ختم ہو جاتا تھا تو فوراً دوا بھی بند کر دی جاتی تھی۔ گویا مرض آنے کے فوارً بعد دوا نہ دی جاتی تھی اور مرض دفع ہوتے ہی دوا بند کر دی جاتی تھی۔ جو بیماریاں عرب میں عام تھیں ان کا باقاعدہ اور مستند علاج کیا جاتا تھا۔ تعویز، جھاڑ پھونک کے علاج کا بھی رجحان پایا جاتا تھا۔ بدن کے زیادہ متاثرہ حصے کو کاٹا بھی جاتا تھا۔

عیون النباء میں عرب طبیبوں کی ایک فہرست موجود ہے جس میں اسلام سے قبل اور بعد کے طبیبوں کے نام بتائے گئے ہیں۔ حارث بن کلدۃ اور اس کا بیٹا النضر بن الحارث کلدۃ،ابن ابی رمثة،عبدالملك بن ابجر،ابن اثال،ابو الحکم،حکم الدمشقی مشہور طبیب تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی اطبا کے ناموں کا ذکر ہے۔ عیون النباء میں

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری کا واقعہ مذکور ہے، حارث طبیب نے دیکھتے ہی مرض کو پہچان لیا اور شفا کے لیے نسخہ تجویز کیا۔

"ويروى عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، أنه مرض بمكة مرضاً فعاده رسول الله صلى الله علية وسلم، فقال ادعوا له الحارث بن كلدة فإنه رجل يتطبب، فلما عاده الحرث نظر إليه، وقال ليس عليه بأس اتخذوا له فريقة بشيء من تمر عجوة وحلبة يطبخان فتحسّاها فبرء"[16]۔

مکے میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے۔ نبی کریم ﷺ عیادت کے لیے آئے تو حارث بن کلدۃ کو بلانے کا کہا۔ حارث نے دیکھتے ہی علاج تجویز کیا اور سعد رضی اللہ عنہ اسی دوائی سے روبصحت ہو گئے۔

عرب چونکہ خانہ بدوش تھے اور ذرائع آمد ورفت کے لیے جانور بھی پالتے تھے۔ اسی وجہ سے جانوروں کی تمام بیماریوں کو بھی جانتے تھے اور علاج بھی کیا کرتے تھے۔ احتیاطی تدابیر بھی کرتے تھے کہ مبادا کہیں بیمار نہ ہو جائے۔

وَلَا عَيْبَ فِينَا غَيْرَ عَرْقٍ لِمَعْشَرٍ كِرَامٍ وَأَنَّا لَا نَخُطُّ عَلَى النَّمْلِ[17]

ہماری شرافت والی قوم میں کوئی عیب نہیں ہے البتہ نملہ کے بیمار پر کوئی لکیر نہیں کھینچتے۔

بلوغ الارب میں نملہ کا مطلب لکھا گیا ہے کہ نملہ گھوڑوں کی ایک بیماری ہے۔ اسی بلوغ الارب کے حاشیہ نگار نے لکھا ہے کہ نملہ پر لکیر وہی کھینچتے ہیں جو ہمشیرہ کے ساتھ شادی کرے اور یہ مجوسیوں کا کام ہے۔ ہم میں سو یہ عیب نہیں ہے[18]۔ گویا کہ علم طبِ کے پہلوؤں اور پیمانے سے بھی انھوں نے اپنی زندگی کے رویوں کو جانچا ہے۔ ایک حساس قوم کو اپنے رویے جاننے اور جانچنے کے لیے ہر موقع ایک آئینہ ہوتا ہے اور ہر واقعہ، کمی بیشی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔

روحانی علاج پر بھی عربوں کی نظر تھی۔ اگر قوم ومعاشرہ اخلاقی بیماری میں مبتلا ہو تو وہ سب کچھ ہو سکتی ہے مگر شریف قطعی طور نہیں کہلا سکتی۔ طب کے اندر ان کے تجربات جب حد سے زیادہ بڑھ گئے تو اور علاج معالج کے لیے انھوں نے ماضی اور حال کے قضیے بھی شامل کر دیے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے غیب سے بھی فیصلے کرنے کا طریقہ رواج دیا۔

علم کہانت وعرافت

یہ علم عرب کے ان مجموعی رویوں کو ظاہر کرتا ہے جو حد سے زیادہ ان میں سرایت کر چکے تھے۔ یہ علم علاج سے کہیں زیادہ ایک دیومالائی افسانے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ علم کہانت سے مستقبل کی مشکلات، آسانیاں اور حالات کے تیور کا پتا بتا دیتے تھے۔ تاج العروس من جواھر القاموس میں لکھا ہے کہ پوشیدہ رازوں کو اسی علم سے

جانتے تھے۔ شق اور سطیح اس علم کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ سمجھا جاتا تھا اس کہ جنات ان ماہروں کے تابع رہتے ہیں۔ ہر قسم کے خوابوں کے تعبیر بتا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ علمِ عراف کے ماہر لوگ بھی تھے جو مستقبل کا ظنی ادراک کر کے قومی وافرادی مسائل کی نشان دہی کرتے تھے۔ علم عرافت جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بہت زیادہ جاننے والا۔ چکاری کے ادراک کا دعوی دار ہوتے تھے۔ اسباب و احوال کی بنیاد پر آنے والے حالات کا پتا بتا دیتے تھے[19]۔ جبکہ امام راغب نے اس کی بالعکس تعریف بتائی ہے[20]۔ کاہن علمِ نجوم کا علم بھی رکھتے تھے تاروں کی ساخت و شکل یا گردش سے جان کر انسانوں کا علاج وغیرہ کرتے[21]۔ عرب کے ہر بالغ النظر آدمی نے اسی علم کو قبول کر لیا تھا اور اسے اجتماعی زندگی کے وجود سے پیوست رکھا تھا۔ لفظِ کہانت کو کثیر الجہتی وسعت ملی گویا کہ کہانت کو علم کے دائروں سے باہر نکل کر دیکھا، پرکھا اور عقیدہ رکھا۔ یہاں تک کہ ریت پر لکیریں کھینچتے اور فیصلہ صادر کرتے۔ عرب کے لوگ طبیب کو بھی کاہن کہتے تھے۔ ابوذؤیب ریت کی علاج پر کہتا ہے:

يقولون لي لو كان بالرمل لم يمت ونبيشة والكهان يكذب قيلها[22]

مجھے کہا کہ اگر آپ کا دوست اور نبیشہ (محبوبہ) ریت والی جگہ پر ہوتے تو نہ مرتے۔ عام طبیب (علم کہانت) کی بات اور نسخہ بھی جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوتا ہے۔

یہ طبیب قبائل کے اندر بھی ہوتے تھے اور دور دراز علاقوں کے طبیبوں سے بھی علاج کیا جاتا تھا۔ عروۃ بن حزم نے اپنے علاج کے لیے مختلف قبائل اور علاقوں کے طبیبوں کو کہا کہ جس نے میرے مرض کی تشخیص اور علاج کیا، منہ مانگی دولت دوں گا۔ اسی بارے میں اس کے طویل اشعار کا ذکر الاغانی نے کیا ہے جس میں سے ایک شعر درج ہے:

جعلت لعراف اليمامة حكمه وعراف حجر إن هما شفياني

یمامہ اور حجر کے عراف اگر میرا علاج کر دیں تو ان کے لیے میں نے منہ مانگی قیمت کا وعدہ کیا ہے۔

دیگر علوم

عربوں نے اکثر علوم کو اپنی معاشرتی ضروریات کو دفع کرنے کی بنیاد پر وجود بخشا۔ کئی علوم ایسے بھی تھے کہ ان کا مزاج اس کا تقاضا کرتا تھا یا پھر کمال کا مشاہدہ اور تیز ذہانت کی بدولت علوم سے متعارف ہوئے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنی بے تحاشا لگن و محنت اور محبت سے علوم سیکھے ہیں۔ عرب چونکہ لق ودق صحرا اور جزیرہ تھا اور عربوں کو اپنے اس صحرائی جزیرے سے پیار بھی تھا۔ اسی پیار اور انس کی وجہ سے اس خطے کی مٹی ان کو بہت پیاری تھی۔ مٹی نے بھی انسانی محبت سے مجبور ہو کر ان کے لیے اپنی بانہیں وا کر دیں اور دونوں کے اس پیار سے یہ علم معرض وجود میں

آیا۔ مٹی کو سونگھ کر اطراف اور فاصلوں کا اندازہ لگا لیتے تھے۔ زیرِ زمین اور زمین کے اوپر پانی کا پتا لگا لیتے تھے۔ انھوں نے قدرت کی اس فراخی کو بھی جی بھر کے استعمال کیا تھا، کہ تاروں کی مدد سے صحرا اور سمندر میں بھی اپنی ترقی کے راستے معلوم کر لیے تھے۔ زمین وآسمان سے آشنائی کی وجہ سے فضا کی کیفیت جان کر باد وباران کی آمد کا معلوم کر لیتے تھے۔ ستاروں اور چاند کی رفتار و گردش سے واقفیت رکھنے کی بدولت ہواؤں کے تیور معلوم کیے تھے، گویا کہ آسمان کو زمین پر سجا کر اپنی زندگی خوشنما بنادی تھی۔ اس علم کو عربوں نے اپنے مزاج اور ضرورت کے تحت وسعت دی۔

العرافہ ہی کی طرح علم القیافہ بھی عربوں کے ذہانت اور ضرورت کی بنیاد بنا۔ اسی مٹی ہی کی بدولت قدم زمین پر لگتے ہی عربوں کو یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا کہ بوڑھا اس راستے سے گزرا ہے کہ لنگڑا، کمزور جانور گزرا ہے کہ دم کٹا جانور حتیٰ کہ گزرنے کی مدت تک کا پتا چل جاتا۔ جانوروں کی نسلیں اور مالکوں تک کا نام بتا دیتے تھے۔ ان علوم کی ابتدا اور ارتقا اور وجوہات جو بھی ہوں عرب نے ثقافتی بنیادوں پر ایسے علوم متعارف کیے کہ ان کی سماجی زندگی کے مظاہر نمایاں ہوئے۔ وہ ایک بہتر معاشرتی زندگی کے علمبردار تھے، گویا کہ ان کا وجودی میلان بہت اعلیٰ تھا۔

ان علوم سے اگر ان کی ذہانت و فطانت اور تیز حِس کا اندازہ ہوتا ہے تو وہاں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اپنی خداداد ذہانت اور تیز فہم، کمال مشاہدہ و بے پناہ تجربے سے اپنی زندگی کو باسہولت گزارنے کے خوگر تھے۔ معاشرتی ضروریات کو سماج میں پریشانی کا ذریعہ نہیں بننے دیتے تھے۔ اور اس کے حل کے لیے وہم کی حد تک چلے گئے۔ وہم کی بنیاد پر ان کو فائدہ بھی ہوا اور یہی وہم حقیقت تک پہنچنے کی چابی بھی بنا۔ جب بھی حقیقت ان پر کھل جاتی تو وہم کو تالہ لگا دیتے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنی زمین کی مٹی کو اپنے مزاج کا پایا۔ فضا سے اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کی قضا سمجھ کر خلا تک کو اپنایا۔ دوسروں کے علوم میں بھی اپنی ضرورت کی حد تک ترمیم کرتے۔

عربوں کی علمی وادبی مظاہر کی بنیاد بھی ایک سوچ اور فکر کی تحت ہوتی تھی۔ ان کی تمدنی اور ثقافتی روح میں جستجو، ادراک اور تلاش کا مادہ موجود رہا۔ ان کی اسی ندرت نے بتوں کی عبادت سے بھی علم کو حاصل کرنے کا خوگر بنا دیا۔ عابد و معبود گویا ان کے علمی خزانے کے ذرائع میں سے تھے۔ بتوں کو وہ چونکہ مدبر فی الکائنات مانتے تھے۔

"اس لیے ان کو فلکیات اور طبعیات کے بارے میں بہت سی باتوں کا علم ہو گیا تھا۔ بتوں کی زیارت اور قربانی کے ایام سیاروں کی انواءِ منازل پر مقرر کر رکھے تھے، جس کی وجہ سے ان کے طلوع وغروب کی نسبت کئی طرح کی واقفیت حاصل کر لی تھی، ان کی عقلیں حوادث طبعی کے کنہ تک نہیں پہنچیں تاہم ان کے عوارضات کا علم ان کو بخوبی تھا۔ ان کو علمِ طب سے بھی واقفیت تھی لیکن یہ علم ان کو تجربے کے طور پر حاصل ہوا تھا"[23]۔

دورِ مکی میں عربوں کے شعور اور حافظے نے منقولات اور معقولات کی بنیاد پر اپنے علمی وادبی معاشرے کی بنیاد رکھی تھی۔ مذہب کے زیر سایہ ان کی علمی وادبی پرداخت ہوتی تھی تو کہیں مذہب کو بھی بالائے طاق رکھتے ہوئے علمی وادبی مظاہر کا مظاہرہ کرتے تھے۔

معاصر علوم وادب کے لیے راہنما خطوط

معاشرہ تغیر پزیر ہے اس کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ دنیا کے حالات اور اقوام عالم کی عادات ہمیشہ ایک حالت پر باقی نہیں رہتیں۔ دنیا تغیرات زمانہ اور انقلابات احوال کا نام ہے۔ اسی لیے مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ شریعت میں تبدیلی ہوتی رہی، کیونکہ ہر دور کے اپنے تقاضے اور ہر امت کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ اسی لیے تمام شرائع میں ہر دور کے تقاضوں اور مصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ جہاں انسانی مصلحت کا تقاضا ہو تو وہاں شرعی اَحکام اور فروع میں کمی بیشی اور ردوبدل کی گنجایش ہوتی ہے۔ مگر اس کی بنیاد اس بات پر ہو کہ انسانی معاشرہ مکارمِ اخلاق کا معاشرہ بن جائے، رذائلِ اخلاق سے احتراز کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اسی وجہ سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا تشریعی مقام بھی یہی ہے کہ وہ اپنی اپنی اُمتوں کو اصولِ دین کی تعلیم دینے کے ساتھ فروعِ دین کے سلسلے میں حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اَحکام دیتے رہے ہیں۔

مکی معاشرے کا یہی بنیادی مسئلہ تھا کہ انھوں نے دین و دنیا کے الگ خانے بنائے تھے اور اسی بنیاد پر ان کی تہذیب بھی بنی تھی۔ ایسی تہذیب کو بیت عنکبوت کہا گیا ہے جو ہوا کے معمولی جھونکے کی بھی طاقت نہ رکھتی ہو، کیونکہ ایسی تہذیب کی اپنی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ مذہب کے اندر ہر تحریف کے بعد ان کی تہذیب کی دیوار بھی ڈگمگا جاتی ہے۔ مزاج کے بدلتے رویے بھی تہذیب کو کمزور تر بنا دیتے ہیں اور مکی دور میں یہ عام بات تھی۔

نبی کریم ﷺ کو جب مبعوث کیا گیا تو ان کے پیشنظر یہ بات بھی تھی کہ دین و دنیا کی تفریق کو مٹا دیا جائے۔ اس تفریق کے مٹانے پر لوگوں کی سوچ کے دھارے ایک ہوں گے۔ جو دینی حکم ہو گا وہی ان کی تہذیب کے مظاہر بھی ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کیا۔ مکے کے لوگ جو اپنی روایات پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بڑی حکمت اور بھلائی کے جذبے کے ساتھ یہ فریضہ سرانجام دیا۔ مکی مذاہب اور تہذیبی مظاہر کو اس نقطہ نظر سے دیکھا کہ ایک بہتر معاشرہ وجود میں آئے اور اس کا پیدا کردہ انسان جو مذہب کا داعی اور اسلامی تہذیب کا محافظ ہو۔

تشبہ کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ اگر تمام مشتبہ روایات کو ختم کر دیتے تو تہذیب کے مظاہر میں کمزوری یا تبدیلی کا رحجان پیدا ہو جانے کا امکان تھا۔ انھوں نے انسانی مصالح کے خلاف تمام ثقافتی روایات کو ختم کر دیا۔ انسانی زندگی کی بہتری کے لیے عمدہ روایات وضع بھی کیں اور اس پر جمے رہنے کی تاکید بھی کی گئی۔

نبی کریم ﷺ نے جب خیر اور بھلائی کی تہذیب اور ثقافتی روایات کو پروان چڑھایا تو آئندہ نسل کے لیے بھی یہ فرمان چھوڑا:

"خَيْرَ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ.[24]"

بہترین تہذیبی رویے، عمدہ ثقافتی روایات میرے دی ہوئی تعلیمات میں سے ہے۔ اور بدترین کام میری تعلیمات میں نئے رویوں کو پیدا کرنا (وہ نئی بات جس کی دین میں کوئی بنیاد نہ ہو) ہے۔ اور اس کے اندر ہر نئی بات (جو دین کی بنیادی تعلیمات سے ٹکراتی ہو) گمراہی ہے۔

اسی طرح ایک اور فرمان ہے کہ:

"ليعلم اليهود أن في ديننا فسحة[25]"

یہودیوں کو اس بات کی خبر ہونی چاہیے کہ ہماری تہذیب میں وسعت ہے۔

پوری انسانیت کے لیے اب بھی اسی میں وسعت اور کشادگی ہے۔ کسی بھی خطے کے انسان کے لیے اس میں فائدے ہی فائدے ہیں، نقصان کہیں بھی نہیں اور اسی میں ہی انسانیت اور انسانی تہذیبوں کی فلاح کا سامان ہے۔

حوالہ جات

[1] ۔ القرآن 2: 113، 120 ۔ القرآن 5: 18، 51، 82،64۔القرآن 9 :30۔ میں ان کاذکرموجود ہے۔

[2] ۔ القرآن 171:4

[3] ۔ القرآن 2: 62

[4] ۔ الجاثیه45: ٢٤ ۔"وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۲۴ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اورگردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو" در حقیقت اِس معاملے میں اِن کے پاس کوئی علم نہیں ہے، یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔

[5] ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، جلدششم ،سورة البروج، حاشیہ ۴

[6] ۔ عبد الملك بن ہشام، السيرة النبوية، جلد1، المحقق، طه عبد الرءوف سعد، الناشر، دارالجيل، بيروت الطبعة الأولى ، 1411ھ، ص202

[7] ۔ جواد علی، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام**، جلد15، ص، 291

[8] ۔ أبو محمد عبد الله بن مسلم، **عیون الاخبار**، معهدتاریخ العلوم العربیه والاسلامیه، فی اطار فرانکورت، طبعة القاهرة1995، جلد1، ص402

[9] ۔ جوادعلي ، **المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام**، جلد15، ص، 293

[10] ۔ محمد الطاهر بن محمد، **التحریر والتنویر المعروف بتفسیر ابن عاشور**، جلد1، الناشر، مؤسسة التاریخ العربي، بیروت، لبنان الطبعة، الأولی، 2000، ص211،

[11] ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، سیرت سرورعالم ﷺ، جلد 1، اداره ترجمان القرآن، اردوبازار لاہور، ص714، سنِ اشاعت1999

[12] ۔ **المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام**، جلد17، ص6

[13] ۔ ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل، **البدایة والنهایة**، دار إحیاء التراث العربي، جلد2، ص279(د.ت)

[14] ۔ أبو سلیمان حمد بن محمد، **غریب الحدیث**، الناشر، دار الفکر، دمشق، عام النشر 1982 م، جلد1، ص693

[15] ۔ العسکري، أبو أحمد الحسن بن عبد الله، **الأوائل**، جلد1، ص19(د.ت)

[16] ۔ موفق الدین أبو العباس أحمد، **عیون الأنباء في طبقات الأطباء**، جلد1، ص92

[17] ۔ أبو بکر أحمد بن مروان، **المجالسة وجواهر العلم**، جلد3، الناشر، جمعیة التربیة الإسلامیة ، البحرین - أم الحصم ، دار ابن حزم (بیروت - لبنان)، تاریخ النشر ، 1419ھ ، ص91

[18] ۔ آلوسی، شکری، محمود، **بلوغ الارب**، (اردو ترجمه) اردو سائنس بورڈ اپر مال، لاہور، جلدچہارم، ص479، 478

[19] ۔ الحسیني، محمد بن محمد، **تاج العروس من جواهر القاموس**، الناشر دار الهدایة، جلد36، ص81

[20] ۔ الراغب الأصفهاني، حسین بن محمد، **المفردات في غریب القرآن**، جلد1، الناشر: دار العلم الدار الشامیة، مکان الطبع : دمشق . بیروت، سنة الطبع : 1412 ھ ، ص728

138۔ الجزري، أبو السعادات المبارك بن محمد ، **النهایة في غریب الحدیث والأثر**، الناشر: المکتبة العلمیة بیروت، 1979م، جلد4، ص399

[22] ۔ الخالدیان أبو بکر محمد بن هاشم، **الأشباه والنظائر من أشعار المتقدمین**، جلد1، ص156

[23] ۔ **اسلامیات**، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنه، اشاعت2001، ص4

[24] ۔ التمیمي، أحمد بن علي بن المثنی أبو یعلی، **مسند أبي یعلی**، جلد2، تحقیق : حسین سلیم أسد، الناشر : دار المأمون للتراث - دمشق، الطبعة الأولی ، 1984، ص420

[25] ۔ عبدالله بن مسلم بن قتیبة أبو محمد الدینوري، **تأویل مختلف الحدیث** ، جلد1، تحقیق : محمد زهري النجار، الناشر : دار الجیل - بیروت ، 1972، ص293